دِینی اداروں اور عوام کے درمیان خلیج

اَسباب اور چند مفید تجاویز

مولانا حافظ محمد نعمان حامد (ناظم جامعۃ الخیر، لاہور)

امت کا عروج، دین سے وابستگی کے ساتھ مشروط ہے، دین سراپا خیر ہے اور جو کچھ بھی دین کے خلاف ہے، سراپا شر ہے۔ امت دین سے جتنی دور ہوگی، خیر وفلاح سے اس کے فاصلے اتنے ہی طویل ہوتے چلے جائیں گے۔ مجموعی طور پر زوال کے جس مرحلہ پر آج امت کھڑی ہے، وہ کوئی اچانک پیش آنے والا حادثہ نہیں۔ یہ زوال تدریجاً امت پر طاری ہوا ہے اور اس تدریج کی ایک تاریخ ہے اور اس تاریخ کا غیر جانبداری کے ساتھ مطالعہ کرنے والا کوئی بھی شخص اس اصولی حقیقت کا انکار نہیں کرسکتا کہ یہ زوال امت کی دین سے دوری کا نتیجہ ہے۔ اور دین سے یہ دوری جتنی زیادہ ہوگی، زوال اتنا ہی گہرا ہوتا چلا جائے گا۔

دین سے امت کی دوری کے بہت سے اسباب میں سے ایک بڑا سبب امت کا علماء حق اور دینی اداروں سے دور ہوجانا ہے۔ دین کا علم انبیاء کی وراثت ہے اور علماء ربانیین اس وراثت کے امین ہیں۔ دین کی حفاظت وصیانت، تفسیر وتشریح اور دعوت وتبلیغ کی عظیم ذمہ داریاں ان کے سپرد کی گئی ہیں۔ علماء ربانیین امت اور نبی کے درمیان واسطہ ہیں۔ امتی کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق جتنا کمزور ہوگا اسی قدر اس کے دین میں کمزوری آئے گی۔

اس وقت معاشرے کی شکست وریخت، تنزل وانحطاط، بے راہ روی اور شتر بے مہاری کے جہاں دیگر اسباب ہیں، وہاں اساسی سبب علماء اور عوام الناس کے مابین وہ خلیج اور فاصلہ ہے جسے پر کرنے کے لیے دونوں طبقوں کی جانب سے کوئی خاطر خواہ توجہ واہمیت نہیں دی جارہی، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ روحانی امراض میں اضافہ ہوتا جارہا ہے، بدعات وخرافات اور جہالت بڑھتی جارہی ہے۔ علماء کی زبانوں پر یہ شکوہ سننے کو ملتا ہے کہ عوام علماء کے قدرداں نہیں! اور عوام کہتے ہیں کہ علماء کو ہمارے مسائل سے کوئی سروکار نہیں۔

کوئی شک نہیں کہ دینی ادارے اور ان سے وابستہ علماء کرام آج بھی احسن طریقے سے اپنے دینی ومعاشرتی فرائض سرانجام دے رہے ہیں اور ان کی خدمات بلاشبہ قابل تحسین ہیں، مگر خوب سے خوب تر کی گنجائش اور ضرورت

ہمیشہ تسلیم کی گئی ہے لہٰذا موجودہ صورت حال میں علماء اور دینی اداروں کو اس سے غافل نہیں ہونا چاہیے۔

علماء کی جانب سے اس خلیج کے اسباب جو مجھ ناچیز کی سمجھ میں آتے ہیں، ان میں تکبر، لالچ، داعیانہ اوصاف وبصیرت کی کمی، نیتوں کا بگاڑ، فرقہ وارانہ تعصّبات، باہمی بغض ونفاق، مادیت پرستی اور سوسائٹی سے رابطہ نہ ہونا وغیرہ شامل ہیں۔ جبکہ عوام میں دینی اَقدار سے بے رغبتی، تربیت کی کمی، جہالت، معاشی دباؤ، مغربی افکار سے اثر پذیری اور میڈیا کا منفی کردار وغیرہ شامل ہیں۔ ان سب پر مستزاد یہ کہ استعمار نے عوام الناس کو علماء اور دینی اداروں سے دور کرنے کے لیے موجودہ دور میں جو ہتھیار استعمال کیے ان میں انتہا پسندی اور دہشت گردی وغیرہ کے الزامات شامل ہیں۔

اگر چہ علماء کرام کے عوام الناس (عامۃ المسلمین) پر بے شمار حقوق از رُوئے شریعت لازم ہیں۔ مگر اس تحریر کے لکھنے کا مقصد ایسی تجاویز کو علماء کے سامنے لانا ہے کہ جن پر عمل کے ذریعے دینی اداروں اور عوام میں بڑھتی ہوئی خلیج کو کم کیا جاسکے، سوسائٹی سے رابطہ مضبوط ہو اور عوام علماء کے زیادہ سے زیادہ قریب ہوں، تاکہ معاشرے میں دینی اقدار کا فروغ ہو اور دینی تعلیم وتعلم کے ساتھ ساتھ دعوت وتبلیغ کا کام زیادہ مؤثر ہوسکے۔ چنانچہ دینی اداروں اور عوام الناس کے درمیان خلیج کا سدباب سماجی وفلاحی سرگرمیوں کے فروغ سے ممکن ہے، اور علماء کرام چونکہ انبیاء کے وارث ہیں، اس لیے انبیاء علیہم السلام کے نقوش قدم کا پتہ علماء ہی سے لگ سکتا ہے، اگر چہ انبیاء کرام کی بعثت کا اصل مقصد توحید کی دعوت، شرک کا قلع قمع، امن وامان، فتنہ وفساد کی بیخ کنی، اسلام کی تبلیغ اور کفر ونفاق کا خاتمہ تھا، لیکن اس کے ساتھ ان کی پاکیزہ زندگیوں میں خدمت خلق کی اہمیت بھی نمایاں ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام کا طوفان سے قبل تنہا لکڑی کی ایک عظیم کشتی تیار کرنا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا خوف کے عالم میں کنویں کے قریب کھڑی دو کمزور بچیوں کی بکریوں کا پانی پلانا اور خضر علیہ السلام کے ساتھ مل کر دو یتیم بچوں کی گرتی ہوئی دیوار کی مرمت بلا معاوضہ کر دینا، حضرت یوسف علیہ السلام کا دنیا کو درپیش طویل قحط سالی کے ممکنہ خطرے کی صورت میں لوگوں کے لیے اَناج محفوظ کرنے اور اسے عوام تک پہنچانے کی طویل المیعاد منصوبہ سازی کرنا، لوط علیہ السلام کا اپنے شہر میں آنے والے اجنبیوں کو اہل شہر کی کمینہ حرکات سے بچانے کی تدبیر سوچنا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا لوگوں کو ظلم سے بچانے کے لیے حلف الفضول کے معاہدے میں شمولیت اختیار کرنا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کمزوروں کے کام آنا، بے روزگاروں کو روزگار دلوانا، مصیبت زدوں کی مدد کرنا، اپنی لخت جگر کی ضرورت کو نظر انداز کر کے صفہ کے پردیسی اور مفلوک الحال صحابہ کرامؓ کی خوراک وپوشاک کا خیال رکھنا، انصار کا اتنے بڑے پیمانے پر ہجرت کر کے آنے والے مہاجرین کی آباد کاری کے لیے نصف جائیداد اور نصف مکان وسامان ان کے حوالے کر دینا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ظالم یہودی سے کنواں خرید کر مسلم وکافر کی تفریق کے بغیر لوگوں کیلیے اس کا پانی

وقف کرنا، سعد رضی اللہ عنہ کا اپنی والدہ کی طرف سے کنواں کھدوا کر وقف کرنا، یہ سب رفاہ عامہ کے کام نہیں تو اور کیا ہیں؟ یہ بھی دین کا ہی ایک شعبہ ہے جس کی طرف ہماری توجہ کم ہے۔ انبیاء کی اس سنت کو زندہ کرنے سے ہم اجر عظیم کے مستحق ہوں گے اور اس سے عوام بھی علماء کے زیادہ قریب آئیں گے۔ ان کے عقائد درست ہوں گے، اور وہ دین کی بات نہ صرف سنیں گے اور عمل کریں گے بلکہ علماء اور دینی اداروں کے محافظ و معاون بھی بنیں گے، وگرنہ ایسا ہی ہوگا جیسا کہ اکثر مدارس میں دور دراز علاقوں سے آئے ہوئے طلبہ تو ہاسٹل میں رہ کر کثیر تعداد میں پڑھتے ہیں مگر قریب کے محلے اور سوسائٹی کا کوئی طالب علم بھی نہیں ہوتا، قریب والوں کی دین سے بے اعتنائی بھی ایک وجہ ہے۔

اس کے لیے ضروری ہے کہ دینی تعلیمی اداروں میں دیگر شعبہ جات کے ساتھ ساتھ فلاحی کاموں کیلئے ایک مستقل شعبہ قائم ہو جو درج ذیل اقدامات اٹھانے کی کوشش کرے:

(۱) تعلیم بالغان اور مکاتب قرآنیہ:

مستقل حفظ اور درس نظامی میں داخل طلبہ کے علاوہ اہل علاقہ اور ان کے بچوں کے لیے مکاتب قرآنیہ اور تعلیم بالغاں کے شعبہ جات بھی ہر ادارے کا لازمی حصہ ہوں، روزانہ صرف ایک گھنٹے کی کلاس بنانے سے وہ بچے اور بڑے بھی ادارے سے مستفید ہوں گے جو کبھی باقاعدہ مدرسہ میں داخل نہیں ہوں گے مگر ادارہ ان کی ضروری دینی تربیت کا بھی اہتمام کر کے بہت بڑی خدمت سرانجام دے گا۔

(۲) فنی وعصری تعلیم کا شعبہ

دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ ہر ادارے میں عصری اور فنی تعلیم کے شعبے بھی ہونے چاہئیں۔ کیوں کہ ہر بچے اور بچی نے حافظ، عالم یا حافظہ اور عالمہ نہیں بننا ہوتا، اس کے برعکس ہر بچے نے اسکول کی تعلیم ضرور حاصل کرنی ہوتی ہے۔ ادارے میں اسلامک اسکول کی طرز پر دینی تربیت کے ساتھ ساتھ عصری تعلیم کا انتظام کر کے معاشرے کے تمام بچوں کو مدرسے کے ماحول میں بآسانی لایا جاسکتا ہے اگر کوئی بچہ تعلیم میں زیادہ آگے نہیں جاسکا تو اس کے باعزت روزگار کے لیے مختصر دورانیے کے ٹیکنیکل اور ووکیشنل کورسز اور بچیوں کے لیے دستکاری کے مختلف کورسز دینی ادارے میں ہی اہتمام سے کرانے کا انتظام ہونا چاہیے۔ کم خرچ اور کم وقت میں، ہاسٹل اور کھانے وغیرہ کی سہولت کے بغیر دینی ماحول میں ایک طالب علم اور طالبہ کی تربیت بھی ہو جائے گی اور وہ اپنے خاندان کی کفالت کرنے قابل ہو جائیں گے۔

(۳) دارالافتاء اور ثالثی کمیٹی:

تقریباً ہر بڑے دینی ادارے میں دارالافتاء موجود ہوتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ مختلف معاشرتی تنازعات کو حل کرانے کے لیے ایک ثالثی کا شعبہ بھی قائم ہونا چاہیے۔ آج بھی عوام اپنے تنازعات حل کرانے کے لیے عدالت

وغیرہ میں جانے سے پہلے دارالافتاء سے رجوع کرتے ہیں۔اگر ہمارے اداروں میں ہی ایسی جید شخصیات ہوں جو کہ غیر جانبداری اور حکمت وبصیرت کے ساتھ متحرک ہوکراور ثالثی کراکرلوگوں کے مسائل گلی محلے کی سطح پر ہی حل کرانے میں کردارادا کریں گےتو اس سے عوام کا علماء پر اعتماد بھی بڑھے گا اور یہ عوام کی بہت بڑی خدمت ہوگی۔

(۴) ریسرچ سنٹر کا قیام:

ہرادارہ میں عموماً ایک لائبریری ضرور ہوتی ہے۔ بڑے اداروں اور جامعات میں تو بڑی بڑی لائبریریاں اور تخصص کے شعبہ جات بھی موجود ہے۔لائبریری کوعوام الناس کے استفادے کے لیے کھولنے اورایک ریسرچ سنٹر کے قیام سے ہرادارہ اپنے علاقے کے عالی دماغ لوگوں کوادارے کے ساتھ جوڑسکتا ہےاس سے نہ صرف مطالعہ کا شوق رکھنے والے افراد مستفید ہوں گے بلکہ کالجز اور یونیورسٹیوں میں پڑھنے والے ریسرچ اسکالرز بھی ادارہ کا رخ کریں گے۔

(۵) آئی ٹی اور سوشل میڈیا کا شعبہ:

آج سوشل میڈیا کا دور ہے، ادارہ اپنے تعلیمی وتربیتی مقاصد کوآگے بڑھانے اور رابطہ عوام مہم کو منظم کرنے کے لیےشرعی ضابطوں کو مدنظر رکھتے ہوئے اس شعبہ کے قیام سے بآسانی سے بہتر نتائج حاصل کرسکتا ہے۔

(۶) واٹر فلٹریشن پلانٹ:

آج کل پاکستان میں پینے کے صاف پانی کا مسئلہ گھمبیر صورت اختیار کرچکا ہے۔زیرزمین حاصل کردہ آلودہ پانی پینے سے کینسراور دیگر موذی بیماریاں عام ہیں۔اس حوالے سے جہاں ادارے کے دیگر کثیر اخراجات پورے کیے جاتے ہیں، اس کے ساتھ ساتھ اگر ایک واٹر فلٹریشن پلانٹ بھی کسی موزوں جگہ پر لگا دیا جائے اور طلبہ کے ساتھ ساتھ اردگرد کی آبادی کو بھی وہاں سے پانی بھرنے کی سہولت ہوتو ادارہ کی طرف سے اہل علاقہ کی یہ بہت بڑی خدمت ہوگی۔

(۷) فری ڈسپنسری:

ہرادارہ میں ایک میڈیل ڈسپنسری کا بھی انتظام ہونا چاہیے۔یہ ڈسپنسری نہ صرف طلباء کی ضرورت کو پورا کرے گی بلکہ محلے کے غریبوں کی دادرسی کا باعث بھی ہوگی۔

(۸) ایمبولینس سروس:

ہرادارے میں کم ازکم ایک ایمبولینس ضروری ہونی چاہیے اس کے ساتھ ایک ڈرائیور ہر وقت موجود رہے۔

ادارے کے اساتذہ، ان کے خاندان اور طلبہ کے ساتھ ساتھ اہل محلّہ کسی بھی ایمرجنسی کی صورتمیں وقت ضائع کرنے کی بجائے ادارے کی طرف سے اس سہولت سے مستفید ہوسکیں۔ضرورت مند افراد اس بروقت سہولت پر ضروری اخراجات بھی بخوشی ادا کرنے کے لیے تیار ہوں گے۔

(۹) روحانی علاج کا شعبہ:

آج کل جسمانی علاج کی طرح روحانی علاج بھی بہت مہنگا ہوگیا ہے۔عاملین عوام الناس کو جادو ٹونے وغیرہ کے نام پر لوٹتے ہیں اگر ہمارے اداروں میں ہی ایسے عالم باعمل شخصیات ہوں تو اہتمام اور وقار کے ساتھ خواتین کے لیے پردے اور شرعی ماحول کا خیال رکھتے ہوئے، بلا کسی معاوضہ کے روحانی علاج کی خدمت کی یہ سہولت بھی علاقے میں میسر ہو تو عوام ادارے کے زیادہ قریب ہوں گے۔

(۱۰) بلڈ بنک:

تمام بڑے جامعات اور مدارس میں کثیر تعداد میں طلبہ زیر تعلیم ہوتے ہیں۔ادارے کو ہر طالب علم کا بلڈ گروپ (خون) معلوم ہونا چاہیے۔کسی بھی ایمرجنسی کی صورت میں اہل علاقہ کی ضرورت اور تحقیق کے بعد ادارہ کی طرف سے اہتمام کے ساتھ بلڈ ڈونیشن کا اہتمام ہونا چاہیے۔اس سے نہ صرف انسانی جانیں بچانے میں مدد ملے گی بلکہ یہ ایک ایسی خدمت ہوگی کہ جس پر کچھ بھی خرچ نہیں ہوگا مگر جس فیملی کو مشکل وقت میں جس ادارے نے مریض کے لیے خون کا عطیہ دیا ہوگا وہ خاندان نسلوں تک ادارہ کے اس احسان کو فراموش نہیں کرے گا۔

(۱۱) سیکورٹی کے انتظامات کرتے ہوئے احتیاط:

آجکل مساجد و مدارس میں سیکورٹی کے خاص انتظامات کرنے پڑتے ہیں لیکن اس کے لیے اس بات کا خاص طور پر خیال رکھا جائے کہ کہیں ادارہ اور اس کے افراد قلعہ بند ہوکر نہ رہ جائیں اور ادارہ عوام کے لیے نو گوا ایریا نہ بن جائے بلکہ سیکورٹی پر مامور افراد انتہائی بااخلاق ہوں، مسکراہٹ اور مسنون سلام کے ساتھ آنے والوں کا استقبال کرنے والے ہوں اور ان کی خصوصی تربیت کے ذریعے اہل علاقہ کے اکرام کا خیال رکھا جائے کہ جس سے انہیں سیکورٹی کے عمل سے گزرتے ہوئے کسی طرح بھی ذلت کا احساس نہ ہو اور وہ باوقار انداز سے ادارے میں داخل ہوں۔

(۱۲) ایس ایم ایس کے ذریعے رابطہ:

ہر ادارے کے پاس گرد و پیش علاقہ/محلّہ اور سوسائٹی میں رہنے والے افراد نام، ایڈریس اور فون نمبرز کا ڈیٹا ہونا چاہیے، ادارے سے وقتاً فوقتاً موبائل ایس ایم ایس کے ذریعے نیک خواہشات اور پند و نصائح کے پیغامات ان تک بھیجنے کا اہتمام ہو۔

(۱۳) سالانہ صفائی مہم:

ادارے کی طرف سے سال میں کم ازکم ایک مرتبہ ادارے کے تمام افراد بشمول اساتذہ وطلبہ ادارے کے اردگرد آباد کی صفائی ستھرائی کے لیے نکلیں۔ یہ ایک عوامی خدمت بھی ہوگی اور طلبہ کی تربیت بھی۔ اہل علاقہ خوش ہوکر دعائیں بھی دیں گے اور ادارہ اوراس کے متعلقین سے زیادہ مانوس ہوں گے۔

(۱۴) شجرکاری مہم:

طلبہ کوادارہ کے اندر اور باہر سالانہ بنیادوں پر شجرکاری مہم کا حصہ بنایا جائے۔

(۱۵) سالانہ ضیافت کا اہتمام:

اہل علاقہ کو مانوس کرنے کے لیے کبھی کبھار کھانے کے دسترخوان پر اہل ادارہ کو اپنے ساتھ کھانے میں ضرور شریک کرنا چاہیے۔ یا کم ازکم سال میں ایک مرتبہ اہتمام کے ساتھ افطار یا کسی اور موقع پر صرف اور صرف کھانے پر انہیں مدعو کیا جائے اور شعبہ جات کا تعاف اور معائینہ کرایا جائے۔

چند مزید تجاویز

۱۶۔ اہل علاقہ کی ہر خوشی اور غمی میں ذمہ داران ادارہ شریک ہوں۔

۱۷۔ مدارس میں قائم مساجد میں اردگرد ادارہ کے باہر سے آنے والے نمازیوں کا خصوصی خیال رکھا جائے۔ ادارہ کی طرف سے بعض احباب کی باقاعدہ ذمہ داری ہو کہ وہ چیک کرتے رہیں کہ کوئی ایسا مستقل نمازی کچھ دن سے مسجد میں نہیں آرہا تو ذمہ داران خود فون کرکے یا اس کے گھر جاکر اس کی خیریت دریافت کریں اور مسجد میں نہ آنے کا سبب معلوم کرکے اس کے ساتھ اپنی دلی محبت ووابستگی کا اظہار کریں۔

۱۸۔ علاقہ میں کسی کی بھی وفات پر ادارہ میں طلبہ اور اساتذہ ایصال ثواب کا اہتمام کریں۔ اس کی مغفرت کی دعا کی جائے۔

۱۹۔ ادارے کی مسجد کے علاوہ محلوں میں بھی ادارے کے اساتذہ مختلف گھروں میں ہفتہ وار اجتماعی نشستیں قائم کریں۔ جن میں ترتیب وار درس قرآن اور اصلاحی مواعظ ہوں۔ گلی محلے سے لوگوں کو دعوت دے کر اس میں شریک کیا جائے۔

۲۰......خواتین کے لیے بھی مختلف محلوں کی سطح پر ہفتہ وار پروگرام تشکیل دیے جائیں۔ جن میں خواتین اساتذہ وعظ کریں۔ ....انتہائی اختصار کے ساتھ درج بالا تجاویز پیش کی گئی ہیں جن پر غور کیا جائے تو وہ انتہائی کم خرچ بالانشین ہیں۔ (بقیہ: صفحہ نمبر ۱۶ پر)